© rasailojaraid.com

ابوالقیس عبدالعزیز مدنی

شخصی آزادی کی آڑ میں اجتماعی ذمہ داری کا خون

انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیے گئے فطری حس' ذوق سلیم' گہری نظر اور اس ذہنی ادراک کے ذریعے جو تمام مخلوقات کے درمیان انسان کے لیے وجہ امتیاز ہے' چیزوں کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ اچھی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور بری چیزوں سے دور رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے سننے کو دو کان' دیکھنے کو دو آنکھیں' پکڑنے کو دو ہاتھ' چلنے کے لیے دو پاؤں' ماکولات ومشروبات کا مزہ چکھنے اور لذت حاصل کرنے کے لیے ایک زبان' چیزوں کا ادراک کرنے کو دل' ہر طرح کے معاملات معانی وافکار کو سمجھنے' خیر وشر' حق وباطل اور مفید ومضر کے مابین تمیز کرنے کے لیے عقل سے نوازا ہے۔ ان تمام نعمتوں سے انسان کو نواز کر اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل آزاد اور بے لگام نہیں بنایا بلکہ اس کے کندھوں پر اس کی ذات' خاندان' معاشرہ اور قوم ووطن سے متعلق بہت ساری عظیم ذمہ داریوں کو عائد کیا' مختلف حدود وقیود کا پابند بنایا اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان اصول وضوابط کو لازم قرار دیا' جن کے سہارے وہ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کے قابل ہو سکے۔ ان حدود وقیود کو پس پشت ڈال دینا یا ان اصول وضوابط سے بالکل آزاد ہو جانا انسان کے لیے ہرگز مناسب نہیں بلکہ ان کا احترام' لحاظ اور ان کی پابندی ضروری ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ نے اس کو ایسا مجبور محض بنا دیا ہے کہ اسے کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ اللہ نے اسے بہتر سے بہتر اور مفید سے مفید تر کو اپنانے اور غیر مفید ومضر اشیاء سے بچنے کی پوری پوری آزادی دی ہے۔ چنانچہ اسے یہ آزادی دی گئی کہ وہ بہتر سے بہتر اعمال واخلاق کا حامل بنے' حد کے اندر رہتے ہوئے قانون اور ضابطے کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے دل ودماغ کے اندر پرورش پا کر افکار ونظریات کا اظہار کرے۔

عقل مند اور باشعور آدمی اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے اتنا اونچا تصور نہیں کرتا کہ وہ دھوکہ کھا جائے اور نہ ہی خود کو اپنی حیثیت سے اتنا نیچے تصور کرتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ورسوا ہو جائے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو وہی حیثیت دیتا ہے جس کا وہ اہل اور حقدار ہوتا ہے' وہ ہمیشہ اپنی اچھائیوں اور برائیوں پر نگاہ رکھتا ہے' اسے اپنے محاسن اور عیوب دونوں کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ اسے یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ معاشرہ بھی انسانوں کی طرح مصائب وآلام' بیماریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسانی قوانین اور ترقی یافتہ تہذیب معاشرے کو اجتماعی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں سے بچانے کی کوشش پر اپنی توجہات صرف کرتی ہے تاکہ تمام لوگ آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کی عزت وشرافت کا لحاظ واحترام کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے بہتر ماحول میں زندگی گزار سکیں۔اس لیے کہ معاشرہ باہم ملے جلے افراد کے مجموعے کا نام ہے۔

جب سماج کے افراد اچھے ہوں گے تو معاشرہ بھی اچھا ہوگا۔ جب معاشرہ کے اخلاق وعادات عمدہ اورصاف اورشفاف ہوں گے تو اس کے خیالات نظریات بھی بہتر اور ٹھوس ہوں گے۔

دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کے مقابلے میں اسلام واحد دین ہے جو سماج کے افراد کے درمیان پائے جانے والے مختلف طرزِ زندگی کے اندر توازن و اعتدال پیدا کرنے پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دینے والوں سے کہیں زیادہ توجہ اس بات پر صرف کرتا ہے کہ اجتماعی اخلاق کی شروعات اور اس کی بہتری افراد کے اخلاق کے سدھار اور اس کی بہتری سے ہوتی ہے۔ کیوں کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اس کے افراد ہی بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔لیکن انسان بھی عجیب ہے' جو بسا اوقات اپنی شخصی آزادی کے نام پر الٹی سوچ سمجھ رکھتا ہے اور بے جا حرکات کرتا ہے۔خود کو تمام شرافت و بزرگی اور وقار کا حقدار سمجھتا ہے' دوسروں کی حیثیت کا خون بہاتا اور اسے حقیر سمجھتا ہے' غیروں کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچاتا ہے۔ جو معاملہ اس سے متعلق نہیں' اس میں بھی دخل دے ڈالتا ہے۔اپنی بات کے آگے کسی کی بات نہیں سنتا' اپنی رائے کو تمام آراء سے بہتر سمجھتا ہے' خود کو اس سے بالاتر سمجھتا ہے کہ وہ کسی کی نصیحت سنے' کسی کے مشورے پر کان دھرے یا کسی قانون کی پاسداری کرے۔اپنے آپ کو اتنا عظیم سمجھتا ہے کہ اپنے مقابلے میں کسی کو عزت و تکریم کا مستحق ہی نہیں جانتا' جس کو چاہتا ہے اس کی جم کر تعریف کرتا ہے' اس سے حد درجہ قریب ہو جاتا ہے' گویا وہ ایسی مٹھاس ہے' جس میں کڑواہٹ کا شائبہ بھی نہیں ہے اور کسی کو مبغوض سمجھتے ہوئے اس قدر نفرت کرتا ہے اور اس کی اتنی تشہیر کرتا ہے گویا وہ ایسی کڑواہٹ ہے جس میں مٹھاس نام کا وجود بھی نہیں۔ کسی کی شان اور حیثیت کو اتنا بڑھاتا ہے کہ اسے فرشتے کی صف میں لا کھڑا کر دیتا ہے اور کسی کی قدر و منزلت کو اتنا گھٹا دیتا ہے کہ اسے شیطان کے درجے سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔حق کی مخالفت اور باطل کی معاونت کرتا ہے' کڑوا کو میٹھا اور میٹھا کو کڑوا جانتا ہے۔ پاک کو پلید اور پلید کو پاک تصور کرتا ہے۔ معمولی بات کو بہت بڑی بات اور بڑی باتوں کو معمولی سی بات سمجھتا ہے' ''پہاڑ کو رائی اور تل کو تاڑ'' بنا دیتا ہے' حق سے نفرت اور باطل سے محبت کرتا ہے' غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط بتاتا ہے۔ انسانوں سے تعلقات منقطع کرتا ہے' نفرت و حقارت کو ہوا دیتا ہے اور اپنے پیچھے بغض و عداوت کا ایک لامتناہی سلسلہ چھوڑ جاتا ہے۔

آج انانیت بے لگام ہو رہی ہے' تو خود غرضی اور مفاد پرستی عام ہوتی چلی جا رہی ہے۔ باپ کی انانیت بیٹے سے اس کے تعلقات پر' شوہر کی انانیت بیوی سے اس کے تعلقات پر' مالدار کی انانیت غریب سے اس کے تعلقات پر' لیڈر کی انانیت عوام سے اس کے تعلقات پر اور امیروں کی انانیت غریبوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر اپنا رعب و دبدبہ مسلط کرتے ہوئے اثر انداز ہو رہی ہے۔ ان ہی جیسے اسباب سے انسانوں کا باہمی رشتہ کمزور پڑتا ہے' بہتر انسانی آثار مٹ جاتے ہیں' آپسی تعلقات میں کڑواہٹ اور بدمزگی آ جاتی ہے' رشتہ داریاں ختم ہونے لگتی ہیں' افکار و نظریات مضطرب ہو جاتے ہیں' خیر خواہی اور مواسات معدوم ہونے لگتے ہیں اور رنگ و نسل کے اختلافات ابھر کر سامنے آتے اور چھا جاتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں انسان کی وحشت اور بربریت اس مقام کو پہنچی ہوئی تھی کہ انسان اپنے بھائی انسان کو نگل رہا تھا۔ اس کا حق مار رہا تھا' اس کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈال رہا تھا' اس کی سماجی قدر و قیمت پر بٹہ لگا رہا تھا اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ ایسے موقع سے جب اسلام کی کرنیں نمودار ہوئیں تو اس نے اعلان کیا کہ تمام لوگ آپس میں برابر ہیں۔ انسان انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھائی ہے۔ ہر آدمی کو ایسے پانچ حقوق حاصل ہیں جن میں کسی طرح کی کوئی تفریق روا نہیں رکھی جا سکتی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ (۱) حق زندگی۔ (۲) حق دین و مذہب۔ (۳) حق حصول علم۔ (۴) حق عزت و شرافت۔ (۵) حق عیش۔ یہ حقوق کیا ہیں؟ یہ دراصل انسانی زندگی کی بنیاد ہیں اور وہ ستون ہیں جن پر اسلام نے خاص توجہ دیتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے لوگوں کا مرہون منت ہے۔ وہ ان کی کوششوں، ان کی سرگرمیوں، ان کی خدمتوں اور ان کے معاملات سے خود کو الگ نہیں کر سکتا۔ دوسروں کا سہارا لیے بغیر دوسروں کی خدمات و نشاطات حاصل کیے بغیر کوئی بھی شخص اپنے مقصد میں کامیاب، اپنے معاشرے میں بامراد، اپنی زندگی میں مطمئن اور صرف اپنی ذاتی کوششوں سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر شخص کو اپنی شخصی آزادی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی سمجھنا ہوگا تاکہ ملک و معاشرے کا ہر فرد عزت کی زندگی بسر کر سکے۔ اس کی بھی عزت و شرافت برقرار رہے اور سماج کے دوسرے افراد کی بھی فضیلت و کرامت بحال رہے۔

لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ شخصی آزادی کا غلط مفہوم لے لیا گیا ہے اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ آزادی استغلال کا ذریعہ اور کھلواڑ کا سبب بن کر رہ گئی ہے۔ بعض لوگوں نے آزادی کا مفہوم یہ سمجھ رکھا ہے کہ کسی بھی قوم و ملت کے عقائد پر طعنہ زنی اور زبان درازی کی جا سکتی ہے۔ اس کی مذہبی کتابوں کا مذاق اڑایا جا سکتا ہے، اس کے مذہبی قوانین و ضوابط کی توہین و تضحیک کی جا سکتی ہے۔ دل و دماغ میں جو بھی آ جائے، اسے انجام دیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں نہ تو کسی ضابطے کا خیال کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کی دل آزاری کی پرواہ کی جائے گی۔ اسی طرح بعض لوگوں کے نزدیک صحافتی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ جو جی میں آ جائے اسے شائع کر دیا جائے اور اگر شائع کیے گئے حصے پر کوئی اعتراض کرے تو اس کے اس اقدام کو فکری آزادی پر ضرب، صحافتی آزادی کے خلاف جنگ اور قلم کی حریت پر پابندی عائد کرنے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس شخصی آزادی کو غلط معانی کا لباس پہنا دینے کی وجہ سے انسانی زندگی میں عجیب انارکی، لاابالی پن، فتنہ و فساد اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔

کیا یہ قرین عقل ہے کہ آدمی کو ہر چیز میں آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ جو جی میں آ جائے اسے انجام دے ڈالے؟ کیا یہ بھی آزادی ہے کہ لوگوں کو تکلیف دی جائے انہیں گالی سے نوازا جائے اور ان کی عزت سے کھلواڑ کیا جائے؟ اور کیا آزادی کا مطلب یہی ہے (جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں) کہ اجتماعی ذمہ داریوں کی رعایت اور حقوق العباد کی پرواہ کیے بغیر جو دل میں آ جائے اسے عملی جامہ پہنا دیا جائے؟

نہیں! ہرگز نہیں! آزادی اسی وقت تک آزادی ہے جب تک وہ اجتماعی و سماجی آزادی پر اثر انداز نہ ہو۔ اس لیے کہ شخصی آزادی اجتماعی آزادی کی ضمانت کے ساتھ مقید ہے۔ بلفظ دیگر یہ کہا جائے کہ شخصی آ[illegible]ں یہ ہے کہ آدمی اپنا حق رائے اور عمل اس طرح استعمال کرے کہ دوسروں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شخصی آزادی اور اجتماعی ذمہ داری کے درمیان اپنے اس حکیمانہ ارشاد میں حد فاصل کھینچ دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((مثل القائم علی حدود اللہ الواقع فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فأصاب بعضھم أعلاھا وبعضھم أسفلھا فکان الذین فی أسفلھا اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقھم فقالو: لو أنا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا فان یترکوھم وما أرادو اھلکوا جمیعا وان أخذوا علی أیدیھم نجوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمیعا)) (کتاب الشرکۃ' باب ہل یرقع فی القسمۃ' رقم الحدیث: ۲۴۹۳' البخاری مع الفتح۔ ۱۳۲/۵)

"حدود اللہ پر قائم رہنے والوں اور اس کی زد میں آنے والوں کی مثال ایک ہی سفینہ میں سواران لوگوں جیسی ہے جن میں سے کشتی کے بالائی حصے اور بعض نچلے حصے میں سوار ہوئے' نچلے حصے میں سوار لوگوں کو پانی لانے کے لیے بالائی حصے سے گزرنا پڑتا تھا' اسے دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے یہ سوچا کہ اگر ہم اپنے نچلے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں تو بالائی حصے میں سوار لوگ ہماری آمد و رفت کی پریشانی سے محفوظ رہ جائیں گے۔ اب اگر نچلے حصے میں سوار لوگوں کو کشتی میں سوراخ کرنے کی اجازت کرنے دی گئی تو سارے لوگ ڈوب جائیں گے اور اگر انہیں ایسی حرکت کرنے سے روک دیا گیا تو سارے لوگ محفوظ و مامون رہ جائیں گے۔"

اے کاش! اوپر بیان کیے گئے حقائق کی روشنی میں شخصی آزادی کے متوالے اور بغیر کسی نظم و ضبط کے اس کی علمبرداری کے دعویدار اجتماعی ذمہ داری کو سمجھتے' اپنے اوپر معاشرے کے عائد ہونے والے حقوق کو بھی محسوس کرتے اور ان کی عزت و شرافت اور عقائد و جذبات کے معاملے میں انہیں مصائب و آلام اور ذہنی پریشانیوں سے دوچار نہیں کرتے اور اس طرح شخصی آزادی عام انسانی دل و دماغ کے لیے زہر افشانی کا باعث' ان کے قلب و جگر اور جسم و جاں کے لیے اذیت کا باعث اور ان کی عزت و آبرو کی نیلامی کا پیش خیمہ بن کر سامنے نہ آتی۔

اس لیے کہ اجتماعی ذمہ داری کے نظریہ کی بنیاد ہی اس بات پر ڈالی گئی ہے کہ شخصی آزادی اگر بذات خود ایک مستقل حق ہے' واجب ہے اور فرض منصبی ہے تو وہ بذات خود ایک نظام اور اجتماعی ذمہ داری بھی۔ جس کا احساس معاشرے کے ہر فرد کو ہونا چاہیے تاکہ سارے لوگ عزت و شرافت' احترام اور وقار کے ساتھ مطمئن ہو کر زندگی گزار سکیں اور ان کے احساسات و جذبات کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

۶۷ مضامین ہیں جبکہ سندھی زبان میں ۹۵ صفحات ہیں اور گیارہ مضامین آخر میں کچھ اخباری بیانات کی فوٹو کاپیاں دی گئی ہیں۔ یہ بیانات شاہ صاحب نے مختلف ادوار میں جاری کیے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس میں شاہ صاحب کا خاندانی تعارف ان کے زہد و ورع' صلاح و تقویٰ علم و عمل' ذوقِ عبادت' دینی و تبلیغی مساعی' تصنیفی خدمات' وسعت مطالعہ قرآن و سنت سے والہانہ شغف' کتاب دوستی' کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا جنون اور ان کے حسنِ اخلاق پر بہت کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔

مجلّہ بحر العلوم کی طرف سے یہ بہت بڑا فرض تھا جو ادا کیا گیا تھا۔ زندہ جماعتیں اور متحرک لوگ اسی طرح اپنے اکابر کی خدمات کو اجاگر کر کے ان کے علمی کارناموں کو نمایاں کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

مجلّہ بحر العلوم کی یہ اشاعت خاص قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مولانا افتخار احمد اور ان کے رفقاء مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے محنت و کوشش سے شاہ صاحب کے حالات کو جمع کیا اور پھر اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ اس اشاعتِ خاص کے لیے انڈونیشیا کا سفید عمدہ کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ لکھائی' چھپائی عمدہ ہے' جلد بندی مضبوط اور فور کلر کے خوبصورت جاذب نظر ٹائٹل نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس اشاعت خاص کی قیمت ۲۵۰ روپے ہے۔

ملنے کا پتہ: دفتر مجلّہ بحر العلوم جامعہ بحر العلوم السلفیہ سیٹلائٹ ٹاؤن میرپور خاص (سندھ)

© rasailojaraid.com